سر سید احمد خاں کی تحریروں میں حقوق نسواں

خدیجہ شاہد

Abstract:

The era of British rule played an important role in life of women of Sub Continent. Governor of Punjab Sir Donald McLeod, William Mayer, and Col Hag rid, Matthew Cambyses took special interest in women Education. At That time, Sir Syed Ahmad Khan emerged as a Great leader of Nation. He was in favor of Women Education as he believed that without it there will be no improvement in society as well as national development. He wrote several essay in "Tehzeeb ul Akhlaq to create Awareness and educate women about their rights. He also convinced women through his speeches at different seminars organized by Scientific Society for women Empowerment. He raised his voice for Re-marriage of widows. He also worked tirelessly to eradicate foolish social norms and societal behavior regarding child birth. He was of the view that all this is due to lack of Education and awareness. And it's right of women to get proper education.

ہندوستان میں تعلیم نسواں کی تحریک میں انگریزوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ انگریزوں کے یہاں ہندوستانی لڑکیوں کو علیحدہ سکولوں کے ذریعے تعلیم دینے کا رجحان ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا ۔ خصوصا ۱۸۱۳ء اور ۱۸۳۷ء کا زمانہ کمپنی کے مقبوضہ علاقوں میں برطانیہ کے باشندوں کی زبردست سرگرمیوں کا زمانہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ سکول کے قیام کی تحریک شروع کی ۔۱۸۶۵۔۷ء گورنر پنجاب سر ڈونالڈ میکوڈ (Donald McLeod) گورنر سر ولیم میور (William Mayer) کرنل ہالرائیڈ (Hag rid) اور متیھو کیمبس (Matthew Cambyses) لارڈ ڈلہوزی (Lord Dalhousie) وغیرہ نے خواتین کی تعلیم میں بہت دلچسپی لی۔ انگریزی تعلیم کی وجہ سے جب ہندوستانیوں کے ذہن میں بیداری پیدا ہوئی تو ہندوستان کے

دانشوروں نے بھی سماج کی فرسودہ رسومات، مافوق الفطرت، عقائد اور جہالت کو دور کرنے کے لیے اصلاحی مہم شروع کی۔ اور اپنے خیالات و افکار کی ترویج کے لیے ہندوستان کے مختلف مقامات پر انجمنیں قائم کیں ۔ہندوستان کی جنگ آزادی کے بعد پوری قوم یاس وحرماں میں مبتلا تھی۔ ایسے میں سر سید احمد خاں قوم کے ایک عظیم رہنما کے طور پر سامنے آئے۔ سر سید نے قوم کی فلاح کے لیے انہیں خواب غفلت سے جگایا اور انہیں علم وادب سے استفادے کا مشورہ دیا۔ اس زمانے میں ہندوستان کے باشندوں کے لیے انگریزی زبان نا قابل برداشت تھی جب کہ وقت کا تقاضہ یہی تھا کہ ہندوستانی جدید علوم سے روشناس ہو کر انگریزوں کے شانہ بشانہ چلنے کے قابل ہو سکے۔ برصغیر میں تعلیم نسواں کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ مذہب اسلام کی رو سے مسلمان مرد عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے لیکن معاشرتی ڈھانچہ ایسا تھا کہ عورتیں علم کی دولت سے محروم تھیں۔ شادی بیاہ کے قوانین بھی عجیب و غریب تھے۔ ہندؤ میں ستی کی رسم عام تھی۔ ایسے میں سرسید احمد خاں نے علم کی روشنی کے ذریعے عوام کو بیدار کرنے کا عہد کیا۔ عورتوں کی تعلیم کے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ معاشرتی زندگی میں عورت کا اہم کردار ہے اور معاشرے کی بہتر تعلیم و تربیت کرنے کے لیے تعلیم نسواں کا عام ہونا ضروری ہے۔

سر سید تعلیم نسواں کے بڑے حامی، معاشرتی اصلاح اور قومی ترقی کے لیے اس کو لازمی قرار دیتے تھے ۔عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کو اپنے حقوق کا شعور دینے کے لیے انہوں نے ''تہذیب الاخلاق'' ۱۸۷۰ء مختلف مضامین لکھے۔ سائنٹفک سوسائٹی کے گزٹ، خواتین کے منعقدہ اجلاس میں شرکت کی اور اپنی تقاریر کے ذریعے ان میں تعلیم حاصل کرنے کا جوش وجذبہ پیدا کیا۔ بیوہ عورت کی دوسری شادی کے لیے آواز بلند کی۔ خواتین کی معاشرتی زندگی کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ اپنے مضمون ''ہندوستان کی عورتوں کی حالت'' میں زچگی کے وقت کی جو رسوم و روایات اس وقت برصغیر میں رائج تھیں جن پر عمل آوری کی صورت میں عورتوں کی جان خطرہ میں پڑ جاتی تھی ان رسومات کی مخالفت کی۔ اس قسم کا ایک واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ا ہندوستان کی عورتوں کی توہم پرستی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ یہ صرف تعلیم کی کمی کا نتیجہ ہے اور اس کمی کو پورا کرنا ہر عورت کا حق ہے۔ عورتوں کی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کا احساس اپنے دوسرے مضمون ''کن کن چیزوں میں تہذیب چاہیے'' میں ان الفاظ سے دلاتے ہیں۔ ''کچھ شبہ نہیں کہ قومی تہذیب و شائستگی کے لیے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے پس ہم کو لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اور ان کو دستکاری سکھانے کے لیے کوئی عمدہ

بندوبست کرنا چاہیے''۔۲ ہندوستان میں عورتوں کے حقوق پر کوئی خاص توجہ نہ دی جاتی، عورت بھیڑ و بکری کی طرح جانور تصور کی جاتی تھی۔ سر سید نے عورتوں کی غلامی کے خلاف جدوجہد کی اور بتایا کہ اللہ نے سب انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے۔ عورت کی غلامی کا رواج قبل از اسلام تھا لیکن اسلام کے بعد بھی انسانیت دشمنی کے باعث لونڈیوں اور غلاموں کو بیچنے کا سلسلہ جاری رہا ہے ۳ سر سید نے خواتین کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر زور دیا ہے۔ معاشی اور سماجی حوالے سے ان کی حیثیت کو بہتر کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ ''اصلی حالت عورتوں کی بلاشبہ ترقی کے لائق ہے، اور ہمارا برتاؤ عورتوں کے ساتھ بہت سی اصلاح اور تہذیب کا محتاج ہے۔''۴ مرد کے لیے کثرت ازدواج برصغیر کی تہذیب وروایات کا حصہ سمجھا جاتا تھا ۔اس رواج کی سر سید احمد خاں نے مخالفت کی کہ آدمی ایک سے زیادہ شادی کرنے پر انصاف کرنے کا پابند ہے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ بیوی کی حق تلفی کرتا ہے۔ جس پر یوں اظہار کرتے ہیں۔ ''کثرت ازدواج کا رواج نہایت نالائقی سے، خدا اور خدا کے رسول کے حکم کے برخلاف، برتا جاتا ہے۔ یہ ایسی بدخصلت مسلمانوں میں جاری ہے جس کی بدولت اسلام کو شرمندگی و بدنامی ہے۔''۵ سر سید نے کثرت ازدوج کی مخالفت کی ہے۔اسلام کی روح سے چار شادیوں کی اجازت کی بھی وضاحت کی ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ حکم کیا ہے کن حالات کی وجہ سے ہے اور اس کے اصل معنی کیا ہے۔اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ اس وقت کے موجود معاشرے میں جہاں شادیوں پر کوئی پابندی نہ تھی۔وہاں شادیوں کی مخصوص تعداد مقرر کی گئی کہ اگر مرد کو ایک کے بعد مزید شادیاں کرنی ہیں تو مرد چار شادیاں کر سکتا لیکن سورۃ النساء: آیت ۱۹ میں یہ اجازت بھی عدل کی شرط کے ساتھ ہے۔ سر سید نے واضح کیا ہے کہ جس طرح مذہب اسلام نے کثرت ازدوج کو روکا ہے اس طرح کسی اور مذہب نے اس کی ممانعت نہیں کی۔انہوں نے بتایا ہے کہ کس طرح علما نے کثرت ازدواج کے حکم کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کیا ہے۔ قرآنی آیت کی اپنے مطلب کے مطابق تشریح و تفسیر کرتے ہیں۔ سر سید احمد خاں کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس حکم کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

> ''اگر تم کو خوف ہو کہ متعدد بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی بیوی رکھنی چاہیے۔ اگر اس آیت کے وہی معنی لیے جائیں جیسے کہ اکثر فقہاء اور علما نے لیے ہیں تو بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شارع نے تعداد ازدواج کو گویا بالکل روک دیا ہے ۔کیونکہ جو سچا دیندار ہو گا وہ بغیر اشد ضرورت کے کبھی تعداد ازدواج کی جو ایسی سخت

شرط کے ساتھ مشروط ہو جرات نہیں کرے گا۔ اگر اس آیت کے الفاظ کو بہ تعمق نظر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ تعداد کو شاذ و نادر صورتوں کے سوا قطعاً ناجائز ٹھہرا دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ نہیں کہا کہ اگر تم عدل نہ کر سکو بلکہ یہ فرمایا کہ اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے۔ پس اگر یہ ممکن بھی ہو کہ مرد متعدد عورتوں میں عدل کر سکے تو بھی عدل نہ کر سکنے کا اندیشہ کبھی زائل نہیں ہو سکتا۔"[۶]

تعدادِ ازدواج کی بُری رسم کی وجہ سے مذہب اسلام کی بھی بدنامی ہوتی تھی۔ سر سید نے ہندوستانی معاشرے میں اس کو ختم کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی۔ مذہب اسلام نے عورتوں کو ساتویں صدی میں ہی ان کے حقوق دے دیئے تھے لیکن وہ خود مسلمانوں نے ان سے چھین لیے اور رفتہ رفتہ مسلم معاشروں میں عورت محکوم و مظلوم بن گئی۔ عورتوں کی پستی کا سبب یہ بتایا کہ مسلمان زوال پذیر ہو گئے اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر کے انہوں نے عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم کر دیا۔ اپنے مضمون "عورتوں کے حقوق" میں یورپ اور اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں ان کا موزانہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جیسی قدر و منزلت عورتوں کی مذہب اسلام میں کی گئی ہے ایسی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔

اسلام نے عورت کو باعزت مقام دیا۔ بیٹی کی پرورش کو باعث بخشش قرار دیا۔ جب تک وہ کنواری رہتی ہے ۔ماں باپ کے زیر سایہ زندگی بسر کرتی ہے۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچتی ہے تو اسلام اسے آزاد شہری کے تمام حقوق دے دیتا ہے جو ایک خود مختار فرد کی حیثیت سے اس کا حق ہے۔ وہ جائیداد کی وارث ہے۔ باپ شوہر اور اولاد سب کی طرف سے اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی نہیں کی جا سکتی۔ شادی کے بعد وہ نان و نفقہ اور حق مہر کی حق دار ہے۔ نکاح کو ایک قانونی معاہدہ قرار دیا گیا۔ شوہر کا بیوی کے مال و متاع پر کوئی قانونی حق نہیں دیا گیا۔ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان مکمل مساوات کا پیغام دیا تھا۔ یہ کہا گیا کہ مرد اور عورت ہونا وجہ فضیلت نہیں، ان کا عمل ہی خدا کے نزدیک افضل ہے۔ عورت کے لیے ایک پوری سورۃ النساء نازل کی گئی جس میں وارثت کے اصول طے کیئے گئے اور مرد کو زیادہ مراعات سے محروم کر دیا گیا ۔یورپ جو خواتین کے حقوق کا بڑا حامی ہے کس طرح عورتوں کو نہایت حقیر، لایعقل اور لاشے سمجھتا ہے ۔اس حوالے سے سر سید احمد خاں لکھتے ہیں۔

"انگلینڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کرنے کے بعد معدوم الوجود تصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبذول ہو جاتی ہے۔ وہ کسی قسم کے معاہدے کی صلاحیت

نہیں رکھتی اور اس لیے وہ کسی دستاویز کی جو اس نے خود اپنی مرضی سے بلا شوہر کی مرضی کے لکھی ہو ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ جو ذاتی اسباب اور مال و نقد و جائداد قبل شادی عورت کی ملک ہو وہ سب بعد شادی کے بقبضہ شوہر کے آجاتی ہے۔ جو جائداد کہ عورت کو وارثت قبل شادی کے یا بعد شادی کے ملی ہو اس پر اس کا شوہر تاحین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وہی اس کا محاصل لیتا ہے۔ عورت بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور نہ کوئی چیز بیچ سکتی ہے۔ اور روٹی کھانے، کپڑا پہنے اور مکان میں رہنے کے خرچ کے سوا کوئی اور خرچ شوہر کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتی۔ گویا کہ عورت پر شادی کا اثر کسی جُرم قابل ضبطی جائداد کی مانند ہوتا ہے اور قانون کی نظر میں لا یعقل شخص کی طرح ہوتی ہے"۷۔

جیسے ہی لوگ دین اسلام کی تعلیمات سے ہٹنے لگے تو لونڈیوں اور غلاموں والا نظام دوبارہ جڑ پکڑنے لگا۔ انگلستان کے قانون کا عورتوں کے لیے یہ حال تھا کہ جو عورت کے حقوق کے لیے آواز اٹھاتا اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ یورپ جو حقوق نسواں کا بڑا حامی نظر آتا ہے عورتوں کو حقیر شے تصور کرتا ہے۔ وہاں عورت بظاہر تو آزاد نظر آتی ہے لیکن وہ کسی قسم کے دستاویزت کے حق دار نہیں سمجھی جاتی۔ سر سید نے واضح کیا ہے کہ عورت کو جو حقوق مذہب اسلام نے دیئے ہیں کوئی اور مذہب، خطہ، نہیں دیتا۔ ۱۸۷۰ء میں مسٹر رسل گرنی نے پارلیمنٹ میں منکوحہ عورتوں کی جائداد کا بل پیش کیا تھا جس میں صرف یہ بات چاہی گئی تھی کہ شادی کے بعد عورت کو اپنی جائداد سے محروم نہ کیا جائے۔ جو کچھ عورت اپنی محنت اور لیاقت سے کماتی ہے اس کو ضبط نہ کیا جائے۔ آنریبل رسل کی یہ پیش کش سن کر تمام ہاؤس آف کامنز ہنس پڑا۔"۸ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یورپ میں حقوق نسواں کی تحاریک کو ہوا ملی اور خواتین نے بہت سے حقوق حاصل کر لیے۔ ہندؤ عورت نسبتاً زیادہ مسائل کا شکار تھی۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دینا انتہائی بچپن کی شادی، ستی کا رواج اور کسی صورت بیوہ کی دوسری شادی کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے ہندو عورت بہت مشکلات سے دوچار تھی۔ ہندوؤں کے زیر اثر یہ تمام برائیاں کافی حد تک مسلمانوں میں بھی سرایت کر گئی تھیں۔ اسلام نے اگرچہ عورتوں کو بہت سے حقوق دیئے تھے، لیکن ان حقوق کا اثر عورتوں کی زندگی پر کم ہی نظر آتا ہے۔ عملی طور پر عورت خواہ وہ مسلمان تھی یا ہندؤ بے بسی کی زندگی گزار رہی تھی۔ مرد اس کے لیے ان داتا، مالک اور مجازی خدا تھا۔ سر سید احمد خاں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے مذہب اسلام سے

مد داخذ کرتے ہیں اور اپنے مضمون عورتوں کے حقوق میں اسلامی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہیں کہ کس طرح اسلام میں عورتوں کو عزت دی گئی ہے۔ اور مردوں کے برابر ان کے حقوق اور اختیار تسلیم کیے گئے ہیں۔

> ''حالت نابالغی میں جس طرح مرد اسی طرح عورت بے اختیار اور ناقابل معاہدہ متصور ہے، الا بعد بلوغ وہ بالکل مثل مرد کے مختار اور ہر ایک معاہدے کے لائق ہے۔ جس طرح مرد اسی طرح عورت اپنی شادی کرنے میں مختار ہیں۔ جس طرح مرد کی بے رضامندی نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح عورت کی بلا رضامندی نکاح نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی تمام جائداد کی خود ملک اور مختار ہے اور ہر طرح اس میں تصرف کرنے کا اس کو اختیار کامل حاصل ہے۔ وہ مثل مرد کے ہر قسم کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس کی ذات اور اس کی جائداد ان معاہدوں اور دستاویزوں کی بابت جوابدہ ہے جو اس نے تحریر کی ہوں۔ جو جائداد قبل شادی اور بعد شادی اس کی ملکیت میں آئی ہو وہ خود اس کی محاصل کی لینے والی ہے۔ وہ مثل مرد دعوی بھی کر سکتی ہے۔''۹۔

سرسید نے مشرق کی عوام کے سامنے مغرب کے پس پردہ حقائق کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ مذہب اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دیئے ہیں کسی اور مذہب و قانون نے نہیں دیئے۔ جس وقت سرسید احمد خاں نے معاشرے کی اصلاح کا بیڑہ اُٹھایا۔ اس وقت ہندوستان میں مرد کا کئی کئی شادیوں اور بیوہ کا شوہر کے ساتھ ستی ہونے کا رواج باقی تھا۔ انہوں نے تعلیم کے ذریعے ان رسوم کا خاتمہ کرنے کی کاوش کی۔ بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی حمایت کی جبکہ اس عہد میں بیواؤں کا دوبارہ شادی کرنا معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ ہندو بیوہ کی دوسری شادی کرنا خلاف مذہب سمجھتے تھے۔ ان کے زیر اثر مسلمانوں میں یہ خرابی پیدا ہو گئی اپنے مضامین ''بیوہ عورتوں کا نکاح نہ کرنے کا نتیجہ''، ''بیوہ عورتوں کا نکاح نہ کرنے میں کیا فساد ہے؟'' میں بتایا ہے کہ بیوہ عورت کا نکاح نہ کرنے سے جرائم کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔ معاشرہ میں بدامنی پھیل رہی ہے۔ بیوہ اور طلاق یافتہ عورت زناکاری میں ملوث ہو جاتیں ہیں اور اس کے نتیجہ میں ناجائز نومولود کے قتل کے دل دوز واقعات جنم لیتے ہیں۔ ہندوستان میں بڑی عمر کے آدمی سے کم سنی میں لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی اور عورتیں جلد بیوہ ہو جاتیں تھیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستانی معاشرے میں عورت کی کیا حالت تھی۔ بیوہ عورت کو ستی ہونے کے لیے مجبور کیا جاتا تھا اسے نیم مدہوش کر کے شوہر کی چتا کے ساتھ ہی جلا دیا جاتا تھا تاکہ شور نہ کر سکے۔ شادی بیاہ یا کسی مبارک موقع پر بیوہ کی آمد کو مناسب تصور نہیں کیا

جاتا تھا۔اسے منحوس کہا جاتا تھا یہی سبب ہے کہ سماج کے اس بے رحمانہ اور ظالمانہ رویہ کے سبب عورت کشمکش و پریشانی کا شکار رہی اور زندگی کو یونہی گزارتی رہی۔ شولا پور کے ایک مقدمہ کی روداد اور فیصلے کا حوالہ دے کر سر سید نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ؛

"ایک نوجوان عورت کا چھوٹی عمر سے مصیبت میں گرفتار رہنا اور بے چاری کا اپنی جان کو تباہ کرنا اور اگر ضبط نہ ہو سکے، بلکہ بمقتضائے بشریت گناہ کرے تو اس کے بعد رُسوا ہونا اور اگر بچہ پیدا ہوا اور وہ غیرت یا شرم سے مار ڈالے تو پھر ایک شریف لڑکی کا تھانے میں جانا اور سپاہیوں کے ہاتھ سے بے عزت ہونا اور پھر مجسٹریٹ کے روبرو علی الاعلان زناکاری اور بچہ کشی کا اقرار کرنا اور اس کے بعد پھانسی پر لٹکنا اور اگر دائم الحبس ہوئی تو تمام عمر جیل خانوں کے قبضے میں رہنا ہزار درجے بدتر ہے اس سے کہ اس کی شادی ہو جائے۔ پس وہ عزت دار صاحب جو بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو موت سے زیادہ سمجھتے ہیں اور اپنی نہایت نازک ناک کو تھامے پھرتے ہیں کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس قدر بے انتہا ذلتیں اچھی ہیں یا ایک نکاح کی وہ ذلت اچھی ہے جس کو وہ اپنی حماقت سے ذلت سمجھتے ہیں۔"١٠

اسلام نے عورت کو وہ مقام دیا جو یورپ کی ترقی یافتہ قوموں نے ایک ہزار سال بعد قبول کیا ۔عورت کو طلاق کا اختیار دیا۔ بیوہ کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت دی۔ تعلیم اور روزگار میں عورت اور مرد کو مساوی درجہ دیا گیا۔ یہ تبدیلیاں انقلابی تھیں۔ سر سید احمد خاں نے بیوہ عورت کے نکاح ثانی کے لیے اسلامی قوانین کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ مذہب اسلام بیوگان کو نکاح کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ ان کے ساتھ اچھے سلوک کا بھی درس دیتا ہے۔ مسلمانوں میں ان کے خود ساختہ مذہب اور رسم و رواج کی پابندیوں کے باعث اکثر و بیشتر بیوہ عورتیں عقد ثانی سے محروم رہتی ہیں اور اس بنا پر ان کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

"اگر کسی کوشش اور کسی طرز سے بیوہ ہندوؤں کی عورتوں کی شادی ہو جایا کرے تو بہت اچھا ہے۔ یہ عورتیں نوجوانی میں بیوہ ہو جاتی ہیں اور بموجب مذہب کے شادی تو یہ کر سکتی نہیں، پس اس وجہ سے خرابیاں پڑتی ہیں۔ دس بارہ برس کی عورت اگر بیوہ ہو جاتی ہے تو تمام عمر اس کو اسی مصیبت میں بسر کرنی پڑتی ہے۔"١١۔

اسلام میں نہ صرف بیوہ اور مطلقہ کو نکاح ثانی کی اجازت دی گئی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے ۔اس کے باوجود بعض مسلمان ہندو روایات کے زیر اثر بیوہ یا مطلقہ عورتوں کے نکاح ثانی کو پسند نہیں کرتے تھے۔اس قسم کے مسلمانوں کو سرسید نے ''بے غیرت مسلمان''۱۲۔ کہہ کر مخاطب کیا ہے اور انہیں اس قبیح رسم سے باز رہنے کا مشورہ دیا ہے۔سیرت فریدہ'' میں اپنی والدہ کی مثال دے کر انہوں نے بتایا ہے کہ وہ بیوہ عورتوں کو دوسرا نکاح کرنے کے لیے سمجھاتیں، ساتھ ہی اپنی والدہ کے حسن انتظام کو سراہتے ہیں کہ اگر عورت تعلیم یافتہ ہو گی تو گھر کا انتظام انصرام اچھے طریقے سے انجام دے سکے گی۔ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں۔

''جو کچھ آمدنی ہوتی تھی اس میں سے پانچ فی صد کے حساب سے میری والدہ ہمیشہ الگ رکھتی تھیں اور اس سرمایہ کو حسن انتظام کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں ۔کئی جوان لڑکیوں کا ان کی امداد سے نکاح ہوا۔اکثر پردہ نشین عورتیں جو معاش سے تنگ ہوتیں ان کی پوشیدہ خبر گیری کرتیں۔غریب خاندانوں کی نوجوان لڑکیاں، جو بیوہ ہو جاتیں ان کو دوسرے نکاح کی نصیحت کرتیں اور دوسرے نکاح کو بُرا سمجھنے والوں کو سمجھاتیں، سنت رسول کا واسطہ دیتیں، غریب رشتہ داروں کے گھر جاتیں اور خفیہ یا کسی حیلہ سے ان کی مدد کرتیں۔''۱۳۔

سرسید کو عظمت نسواں کا احساس بچپن سے ہو گیا تھا۔جب اپنی والدہ کا ذکر کرتے ہیں؛تو اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے حق تھے۔انہوں نے عورتوں کے استحصال کے خلاف آواز اٹھائی اور اسے اخبار علی اور اسے اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ اور سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعے اس کی مردوں کو توجہ دلائی کہ وہ عورتوں کے حقوق کو پہچانیں۔جب تک مرد تعلیم یافتہ نہیں ہونگے وہ خواتین کے حقوق کا خیال نہیں رکھ پائے گئے۔

''اے میری بہنو!تم یقین جانو کہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جس میں مردوں کی حالت درست ہونے سے پہلے عورتوں کی حالت درست ہو گئی اور کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں جس میں مردوں کی حالت درست ہو گئی ہو اور عورتوں کی حالت درست نہ ہوئی ہو۔تم یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی پیاری بیٹیوں کو بھول گیا ہوں بلکہ میرا یقین ہے کہ لڑکوں کی تعلیم پر کوشش کرنا لڑکیوں کی تعلیم کی جڑ ہے۔''۱۴۔

سر سید کا خیال تھا اگر مردوں کی تعلیم پر زور دیا جائے تو عورتوں کی تعلیم کی راہیں خود بخود ہموار ہوتی جائیں گی۔ انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں اگر انہیں ایمانداری کے ساتھ ادا کر دیا جائے تو بہت ساری بُرائیوں کا معاشرے سے خاتمہ ہو جائے گا اور بتایا ہے کہ ہمارا مذہبی قانون دوسری قوموں کے قوانین سے بہت بہتر ہے۔ انہوں نے اسلام میں عورتوں کے سماجی اور معاشرتی حقوق کے حوالے سے مردوں پر زور دیا ہے کہ وہ اس کی ادائیگی میں سنجیدگی سے کام لیں۔ سر سید عورتوں کو نصیحت کرتے ہیں۔

> ''تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے ایمان اور اسلام سے واقف ہو۔ اس کی نیکی اور خدا کی عبادت کی خوبی کو تم جانو۔ اخلاق میں نیکی اور نیک دلی، رحم و محبت کی قدر سمجھو۔ اور ان سب باتوں کو اپنے برتاؤ میں لاؤ۔ گھر کا اہتمام اپنے ہاتھوں میں رکھو۔ اپنے گھر کی مالک رہو۔ اس پر مثل شہزادی کے حکومت کرو۔ اور مثل لائق وزیر زادی کے منتظم رہو۔ اپنی اولاد کی پرورش کرو۔ ہاں یہ بات سچ ہے کہ تمہارے خاندانوں کے مردوں کی نالائقی اور جہالت سے تمہارے متعدد حقوق جو خدا کے حکم سے تم کو ملے ہیں اور جن کا انسانیت کی رو سے تمہارا حق ہے، برباد ہو گئے ہیں۔ اور وہ حق تم کو پھر دلانے کی یہی تدبیر ہے کہ تمہارے لڑکوں کی تعلیم میں کوشش کی جاوے۔ جب کہ وہ تعلیم یافتہ ہو جائیں گے، وہ چھنے ہوئے حقوق از خود بے مانگے تم کو واپس ملیں گے۔''[۱۵]

سر سید کی نظر میں عورت ایک ایسی ہستی ہے جو معاشرے کو خواب سے بیدار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب وہ تعلیم حاصل کرے۔ عورتوں کو اپنے حقوق سے آگاہ کرنے کی بھرپور کوشش کیں تا کہ عورت اپنے حالات و خیالات کو بدلیں جو ضعیف الاعتقادی عورتوں کے اندر موجود ہے اس ختم کرنے کا درس دیتے ہیں۔ عورت کو کسی بھی طرح مرد سے کم تر نہیں سمجھتے وہ اُسے ذہنی طور پر مرد کے برابر گردانتے ہیں۔ عورت میں ہر وہ صلاحیت موجود ہے جو مرد میں ہے۔ عورتیں تعلیم حاصل کر کے اس مقام تک پہنچ جائیں کہ وہ ہر کام میں زندگی کے سفر میں مردوں کے ساتھ چل سکیں۔ مرد عورتوں کی قدر کریں۔ گھر میں عورت کا ایک خاص رتبہ ہو اور وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر سکیں۔ اگر عورت تعلیم یافتہ ہو گی تو وہ بہتر طریقے سے اپنے گھر کو دیکھ سکے گی۔ سر سید احمد خاں نے عورتوں کے حقوق کے لیے ان الفاظ میں آواز بلند کی۔

''علم بلاشبہ انسان کی حیات ہے اور جہل اس کی موت۔ پس کیا لطف ہے کہ جو خود زندہ دل ہوں اور ان کی عورتیں جو مدار عیش و زندگانی ہیں مردہ دل رہیں۔ البتہ اس تحریک سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ وہ اپنی عورتوں کی نادرستگی اور بے پردگی اور بے حیائی بھی پسند کرنے لگیں اور تعلیم یافتہ بنا کر ان کو خود مختار کریں اور خود ان کے پابند ہو جائیں بلکہ ہماری صرف یہ غرض ہے کہ باوجود ملحوظ رکھنے ان مراتب کے، ان کو تعلیم دینا اور شائستہ بنانا کیسی عمدہ بات ہے اور کیا کچھ ان کی ترقی کا باعث ہے۔''۱۶؎

تعلیم نسواں کے لیے جو لوگ دلچسپی لیتے سر سید ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ سفر لندن کے دوران سر سید نے جب انگلینڈ میں پڑھی لکھی عورتوں کو دیکھا تو انہیں ہندوستانی عورتوں کی جہالت اور پستی و بے بسی پر بے حد افسوس ہوا۔ ہندوستان میں خواتین کی حالت ایسی تھی کہ انہیں تہذیب یافتہ ہونے میں کئی برس درکار تھے۔ اس کے برعکس لنڈن کی خواتین مہذب اور تعلیم یافتہ تھیں ایسے میں جب یورپ میں رہنے والی خواتین کو پتہ چلتا تھا کہ ہندوستان کی خواتین زیور تعلیم سے برہنہ ہے تو انہیں تعجب ہوتا کہ اگر ہندوستان کی خواتین بے لباس بازار میں نکل آتیں تو شاید انہیں اتنی حیرانگی نہ ہوتی۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے تیسرے جلسہ ۱۸۸۸ء بمقام لاہور سر سید بڑی دردمندی سے کہتے ہیں۔

''میں نے لنڈن میں اپنے دوستوں کی مہربانی سے ایسے زنانہ مدرسوں کو جہاں اشراف لڑکیاں پڑھتی اور رہتی ہیں دیکھا ہے۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو حالت عمدگی اور طمانیت اور تعلیم و تربیت کی ان مدرسوں میں ہے۔ ہندوستان کو وہاں تک پہنچنے کے لیے ابھی سینکڑوں برس درکار ہیں۔''۱۷؎

۲۹ دسمبر ۱۸۶۶ء کے علی گڑھ انسی ٹیوٹ گزٹ میں ایک ادارتی نوٹ میں سر سید نے خواتین کی تعلیم کے لیے کام کرنے والی مس کارپینٹر۱۸؎ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ مس کارپینٹر خاص لندن کی رہنے والی عالی خاندان اور ذی رتبہ اپنے زمانے کے یکتا نہایت ذی علم پڑھنے لکھنے اور اکثر علوم میں بہت سے مردوں سے بہتر ہیں۔ مس کارپینٹر نے ہندوستان کی عورتوں کی تعلیم کا طریقہ درست کرنے اور علم کا رواج اور رغبت عورتوں میں پیدا کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان کا سفر اختیار کیا ہے۔ خواتین کی تعلیم کے سلسلے میں مس کارپیٹر کی خدمات کو سراہتے ہوئے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''ان (مس کارپینٹر) کی عالی ہمتی اور بلند نظری اور تہذیب، اخلاق اور نیک نیتی کا مثبت خود وہی مضمون ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے یعنی اس گروہ کی تعلیم میں جس کو خدائے تعالیٰ نے مرد کے لیے بطور دوسرے ہاتھ کے بنایا ہے۔ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ مس کارپینٹر صاحبہ کی کوشش کامیاب ہو اور ہندوستان میں کیا مرد کیا عورت سچائی اور علم کی روشنی سے جو دونوں اصل میں ایک ہیں روشن ضمیری حاصل کریں۔''۱۹؎

سرسید کی موجودگی میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے تیسرے اجلاس ،منعقدہ لاہور ۱۸۸۸ء یہ تجویز منظور کی گئی کہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مکتب قائم کیے جائیں۔ جو مذہب اسلام اور طریقہ شرفائے اسلام کے مطابق اور مناسب ہوں۔ ۱۸۹۱ء میں جو کانفرنس قائم کی گئی اس میں یہ طے پایا کہ طرز تعلیم ایسا ہو کہ مسلمان عورتوں کی علمی، اخلاقی اور مذہبی زندگی کی اصلاح ہو، تاکہ ان کی آئندہ تربیت سے نئی نسلیں فائدہ حاصل کر سکیں۔ لندن کے سفر کے دوران سرسید احمد خاں نے زندگی کے مختلف مظاہر کو دیکھا اور پرکھا، وہاں کی خواتین کی طرز انداز سے بے حد متاثر ہوئے کہ کس طرح خواتین مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے سفر میں آگے بڑھ رہی تھیں روم اور مصر دونوں میں روز بروز تعلیم کی ترقی ہے عورتیں بھی بہت زیادہ پڑھی لکھی ہو گئیں تھیں لیکن ہندوستان کی خواتین تعلیم کے معاملے میں بہت پیچھے تھیں۔ سر سید احمد خاں ایک مصری لڑکی کا ذکر کرتے ہوئے تعلیم کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں کہ مصر کی ایک مسلمان لڑکی جو عربی زبان میں مہارت رکھتی تھی اور اس زبان میں وہ نہایت فصاحت سے لکھتی پڑھتی تھی ۔ کانفرس میں اس واقعہ کے ذکر کرنے کا یہی مقصد تھا کہ مسلمان خواتین کی تعلیم کی اہمیت سے آگاہ ہو اور ہندوستان کی خواتین کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرے۔

سرسید نے سیر کے دوران کلفٹن کا لٹوان پل اور وہاں کی صدر گاہ دیکھی جس کی سربراہ ایک انگریز خاتون تھی جو اس طرح صدر گاہ کے آلات دکھاتی اور استعمال کے طریقے بتاتی تھی کہ ذہن نشین ہو جاتے تھے اس کی صلاحیت کے بارے میں بیان کیا کہ اس وقت جتنی ترقی یورپ اور دوسرے ممالک میں ہو چکی ہے مسلمانوں کو اس مقام تک آتے آتے بہت وقت لگ جائے گا۔ اگر مسلمان اسلام کی دی ہوئی تعلیمات کو یاد رکھتے تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے کہ مسلمانوں کو دوسرے تہذیب یافتہ ممالک کی مثالیں دینی پڑتی۔

''ہم کو یقین ہے کہ اگر ہم اپنے ملک کے کسی بڑے قبلہ وکعبہ سے اور جناب مولوی صاحب سے اس کا سبب پوچھیں گے تو ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکلے گا۔ مجھ کو تو اپنی سفید داڑھی پر اس عورت کے سامنے شرم آتی ہے مگر افسوس ہے کہ ہمارے ہم وطنوں کو شرم بھی نہیں آتی اور جب سچی بات انہیں لکھی جاتی ہے تو الٹا بُرا کہنے اور الزام دینے کو موجود ہیں۔''۲۰۔

سرسید نے عورت کی ذہنیت اور صلاحیتوں کو کھلے دل سے قبول کیا ہے جس کا اظہار وہ اپنے دوستوں سے خط وکتابت میں بھی کرتے ہیں کہ مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی خواتین کی تعلیم و تربیت کا خود انتظام کریں۔ایک خط میں لکھتے ہیں ''پس ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو کون منع کرتا ہے کہ خود بلا مداخلت لڑکیوں کو پڑھانے کا انتظام کریں۔ عورتوں کی تعلیم خواہ پردے میں خواہ مدرسے میں ہو اب ایسا سوال نہیں رہا، جس پر کچھ حجت اور شک شبہ باقی رہے۔''۲۱۔عورت تعلیم یافتہ ہو کر ایک اچھی ماں،اچھی بیوی اور اچھی بیٹی بنے۔ کیوں کہ گھر کا دارومدار عورت پر ہی ہوتا ہے اس لئے انہوں نے عورتوں کو تعلیم دینے پر زور دیا،اور اس کے ذریعے وہ اپنے باقی حقوق کا شعور حاصل کر سکے گی۔ وہ عورتوں کو اس لائق سمجھتے تھے کہ بڑے سے بڑے کام کو بآسانی کر سکتی ہیں اس کے لیے ان کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری تصور کرتے ہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دی جاءے تا کہ وہ دین اسلام کی حقیقی روح کو جان کر اس کو دل سے اپنائیں۔اس طرح نہ صرف وہ اپنے شرعی حقوق سے آگاہ ہوں گی بلکہ محض اندھی تقلید سے بھی بچیں گی ،یوں مذہب سے بدعتوں کا بھی خاتمہ ہو گا جو عورتوں کی بے عقیدگی کی وجہ سے معاشرتی اقدار میں رچ بس گئی ہیں۔

سردار محمد حیات خاں کی بیگم نے ۱۸۸۴ء میں سرسید کو ''خواتین پنجاب'' کے ایک جلسے میں مدعو کیا تا کہ تعلیم نسواں کے بارے میں ان کے خیالات کو جان سکے۔ رات کے اس جلسے کو سرسید احمد خاں نے شب قدر سے تعبیر کیا اور فرمایا۔

''اے میری بہنو! آج کی رات میرے لیے شب قدر سے کم نہیں ہے جو ایڈریس تمہاری طرف سے مجھ کو دی گئی ہے وہ میرے لیے ایسی عزت ہے جو آج تک ہندوستان میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ میں تمہاری اس شفقت کا دل سے شکر گزار ہوں۔اے میری بہنو! میں اپنی قوم کی مستورات کی بہت قدر کرتا ہوں۔ ہماری قوم

کے مردوں نے اپنے باپ دادا کی بزرگی کو خاک میں ملا دیا، مگر خدا کے فضل سے تم میں ہمارے باپ دادا کے نشان بدستور موجود ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مردوں میں شبلی اور جنید موجود نہیں ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ تم میں ہزاروں لاکھوں رابعہ بصری موجود ہیں۔ تمہاری نیکی، تمہاری بردباری، تمہاری محبت، ہر قسم کی مشکلات کی برداشت اور اس پر صبر، بچوں کی پرورش، گھر کا انتظام ہمارے لیے فخر کا باعث ہے۔ اگر کوئی قوم تمام دنیا میں اپنے تئیں کسی کا فخر دے سکتی ہے تو ہم اپنی قوم کی مستورات کو دنیا کی قوموں پر فخر دے سکتے ہیں۔ ہمارا فخر تمہارے ہی سبب سے ہے۔اے میری بہنو! میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پروا نہیں ہوں۔ میں دل سے ان کی ترقی کا خواہاں ہوں۔ مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے، اس طریقہ تعلیم سے ہے جس کے اختیار کرنے پر اس زمانے کے کوتاہ اندیش مائل ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقہ تعلیم تیار کرنے پر کوشش کرو۔ وہی طریقہ تمہارے لیے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا۔"۲۲؎

سرسید کی اشاعت تعلیم کی کوششوں کو نواب سکندر جہاں بیگم نے نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور اظہار خوشنودی کے طور پر الماس کی ایک انگوٹھی بھیجی جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ تھی۔۲۳؎ المختصر سرسید احمد خاں نے جب ہندوستاں میں آنکھ کھولی تو قوم کا یہ حال تھا کہ تعلیم کی اہمیت پر غور ہی نہیں کیا گیا خاص کر خواتین کی تعلیم کو تو بالکل نظر انداز ہی کر دیا گیا۔ انسانی معاشرے میں خواتین کو اہم مقام حاصل ہے وہ صرف گھر کی ہی تربیت نہیں کرتی بلکہ سماج اور معاشرے کی بھی تربیت کرتی ہے۔ سرسید اس حقیقت سے آشنا تھے کہ عورت ہی معاشرے کو صحیح راہ دکھا سکتی ہے۔ اسلام سے قبل اور بعد بھی صدیوں تک عورت انتہائی پستی کی حالت میں رہی جو قومیں ترقی کر رہی تھیں وہ بھی عورتوں کو ان کے حقوق دینے کے لیے تیار نہ تھیں لیکن اسلام ایسا مذہب ہے جس نے عورتوں کا معاشرتی، سیاسی، اقتصادی ہر قسم کے حقوق دے کر برابری کا درجہ دیا۔ جو مغرب والوں نے عورتوں کو انیسویں صدی میں جدوجہد کے ذریعے عطا کیے۔ سرسید کے مطابق ملک کی ترقی عورتوں کی تعلیم کے بغیر نہیں ہو سکتی اس کے لیے عورتوں کے حالات سدھارنے کے لیے اسلام کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ بیوہ عورت کی دوسری شادی جو ہندو سماج کے زیر اثر مسلمانوں میں در آئی تھی اس برائی کا جڑ سے خاتمہ چاہتے تھے۔

حواشی:

۱۔ مقالات سرسید (حصہ پنجم) مرتب مولانا اسماعیل پانی پتی، لاہور: مجلس ترقی ادب، س۔ن، ص ۱۸۸

۲۔ ایضاً، ص ۳۰۹

۳۔ شاہد حسین رزاقی، ''سرسید اور اصلاح معاشرہ''، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۳ء، ص ۱۷۵

۴۔ مقالات سرسید، مرتب محمد عبداللہ خاں خویشگی، علی گڑھ: نیشنل پرنٹرس کمپنی، س۔ن، ص ۶۴

۵۔ ایضاً

۶۔ شاہد حسین رزاقی ''سرسید اور اصلاح معاشرہ'' لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۳ء ص ۱۷۵

۷۔ مقالات سرسید (حصہ پنجم) مرتب مولانا اسماعیل پانی پتی، لاہور؛ مجلس ترقی ادب، س۔ن، ص ۱۹۶

۸۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۹۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۱۰۔ شاہد حسین رزاقی ''سرسید اور اصلاح معاشرہ'' لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۳ء، ص ۱۸۲

۱۱۔ مقالات سرسید (حصہ پنجم) مرتب مولانا اسماعیل پانی پتی، لاہور؛ مجلس ترقی ادب، س۔ن، ص ۲۰۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۰۲، ۲۰۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۵۹، ۲۲۵

۱۴۔ تہذیب الاخلاق جلد نمبر ۲۷ شمارہ ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۸ء، ص ۳۷

۱۵۔ تہذیب الاخلاق'' جلد ۳۶ شمارہ اکتوبر ۲۰۱۷، ص ۱۸۴

۱۶۔ تہذیب الاخلاق جلد نمبر ۳۷ شمارہ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص ۷ ۳

۱۷۔ ثریا حسین، ''سرسید احمد خاں اور ان کا عہد'' علی گڑھ؛ ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳ء، ص ۳۵۶

۱۸۔ مس کارپینٹر نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں عورتوں کے ٹریننگ اسکول قائم کرنے کی سفارش کی جس کے نتیجے میں احمد آباد اور مدراس میں اسکول کھلے۔

۱۹۔ ثریا حسین، ''سرسید احمد خاں اوران کا عہد'' علی گڑھ :ایجو کیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳ء ص ۳۵۶

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۵۰

۲۱۔ تہذیب الاخلاق'' جلد نمبر ۳۷ شمارہ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء ص ۴۰

۲۲۔ تہذیب الاخلاق جلد نمبر ۳۷ شمارہ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء، ص ۳۷

۲۳۔ معیار، اسلام آباد: تعلیم نسواں میں نواب سکندر جہاں بیگم کی علمی خدمات، شمارہ نمبر ۱۸، جولائی، دسمبر، ۲۰۱۷ء ص ۶۴